نبیلہ عزیز

رقصِ بسمل

مادرا مرتضیٰ' عافیہ بیگم کی اکلوتی بیٹی ہے۔ فارہ کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ عافیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری پابندیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرا خود اعتماد اور اچھی لڑکی ہے۔ عافیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ بی گل اس کی حمایتی ہیں۔

فارہ اپنی ثمینہ خالہ کے بیٹے آفاق یزدانی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے ٹھہرائی گئی تھی مگر اب وہ فارہ سے قطعی لاتعلق ہے۔

منزہ' ثمینہ اور نیرہ کے بھائی رضا حیدر کے دو بچے ہیں۔ تیمور حیدر اور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزنس مین ہے اور بے حد شاندار پرسنالٹی کا مالک ہے۔ ولید رحمٰن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹیٹس حائل نہیں ہے۔ نیرہ کے بیٹے سے فارہ کی بہن حمنہ بیاہی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں بم دھماکا ہوتے دیکھ کر اپنے حواس کھو دیتی ہے۔ ولید اسے دیکھ کر اس کی جانب لپکتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولید اور عزت کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ دیتی ہے۔ تاہم عزت کھل کر اس کا اظہار کر دیتی ہے۔ ولید ٹال مٹول سے کام لے رہا تھا۔

آفاق فون کرکے فارہ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فارہ روتی ہے۔ اشتیاق یزدانی' آفاق سے حد درجے خفا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ آفاق مجبور ہو کر شادی پر راضی ہو جاتا ہے۔ فارہ دل سے خوش نہیں ہو پاتی۔ رضا حیدر' تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں فیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں مادرا کو بصد اصرار مدعو کرتی ہے۔

پچیسویں قسط





کل ٹھیک اسی طرح میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔" ولید اس کا ردعمل دیکھ کر بولا۔
"ولید۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔ میرا دل اس حقیقت کو قبول کرنے پہ ہرگز تیار نہیں ہے کہ آفاق اتنی سیریس کنڈیشن میں ہے اور۔ اور۔ کسی کو پتا ہی نہیں ہے۔ اوہ مائی گاڈ۔"
تیمور نے واپس اپنی کرسی پہ بیٹھتے بڑے شکست خوردہ انداز میں کہتے ہوئے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔
"لیکن اتنا مایوس ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اللہ چاہے اور ہم لوگ کوشش کریں تو وہ ٹھیک بھی ہو سکتا ہے۔ تھین پرسینٹ چانسز تو ابھی بھی ہیں۔" ولید کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔
"کیا مطلب۔؟" تیمور نے یکدم سر اٹھا کر ولید کو دیکھا۔
"مطلب کہ وہ اکیلا ہے۔ اور ابھی تک اکیلا ہی سب کچھ جھیل رہا ہے۔ اگر اسے کسی کی سپورٹ مل جائے تو وہ ٹھیک ہو سکتا ہے۔ آج کل ہر بیماری کا علاج ہے۔ پھر اتنی مایوسی کیوں بھلا۔؟"
ولید کی بات پہ تیمور کے دماغ نے بھی کام کرنا شروع کر دیا تھا۔
"ڈاکٹر شاہنواز سے بات ہوئی تمہاری۔؟ کیا کہتے ہیں وہ۔؟ تیمور نے استفسار کیا۔
"وہ تو صرف آپریشن ہی حل بتا رہے ہیں۔" ولید کا لہجہ اب کی بار نارمل تھا۔
"تو پھر اس میں مسئلہ کیا ہے۔؟" تیمور کو بے چینی ہوئی۔
"یہ آپریشن ایک رسک ہے اور آفاق یہ رسک نہیں لینا چاہتا۔ وہ چاہتا ہے زندگی کے جتنے دن باقی ہیں وہ اسی طرح اپنے ماں باپ اور بیوی کے ساتھ گزارے۔ وقت سے پہلے موت کا منہ نہیں دیکھنا چاہتا مگر اسے یہ کون سمجھائے کہ موت اپنا منہ وقت سے پہلے نہیں دکھاتی۔ اسے یہ رسک ضرور لینا چاہیے۔"
ولید کی بات سچ تھی' تیمور کو ڈھارس ہوئی تھی۔
"چلو۔ اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس سے بات کرتے ہیں۔" تیمور نے دوبارہ کرسی سے اٹھنا چاہا۔
"بیٹھے رہو۔" ولید نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا تھا۔
"کیوں؟ پہلے ہی اتنی دیر ہو چکی ہے۔" تیمور کو خفگی اور بے چینی ہو رہی تھی۔
"آفاق یہ بات کسی سے نہیں شیئر کرنا چاہتا۔ تم اس سے بات کرنے جاؤ گے تو ہو سکتا ہے کہ وہ طیش میں آجائے۔ اس لیے اسے پہلے نارمل طریقے سے کہیں ملو۔ پھر بات سمجھانے کی کوشش کرو۔" ولید نے تیمور کو سمجھانے کی کوشش کی تھی۔
"ہوں۔ یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔" تیمور نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"اب میں جاؤں۔؟" ولید نے تیمور کو مطمئن کرنے کے لیے ذرا شرارت سے استفسار کیا تھا۔
"جاؤ ضرور جاؤ۔ اب تم نے اور کرنا بھی کیا ہے۔؟ میرے موڈ کا ستیاناس مارنا تھا وہ پہلے ہی مار دیا ہے۔" تیمور نے جیسے آہ بھرتے ہوئے کہا تھا۔ اور ولید قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"ارے نہیں میرے یار۔! تمہارا موڈ ان شاء اللہ دو دن بعد اپنے بھنگڑے سے سیٹ کروں گا۔ موڈ پہ بہار آجائے گی دیکھ لینا۔" ولید کی شرارت پر تیمور بے اختیار مسکرا دیا تھا۔
"بھنگڑا نہ ڈالا تو ٹانگیں بھی توڑ دوں گا۔" اس نے دھمکی دی۔
"وہ تو تم نے ابھی توڑ ہی دی ہیں۔ اٹھ کر چلنے کی ذرا ہمت نہیں چھوڑی۔" ولید جان بوجھ کر کراہا۔
"میں سمجھا نہیں۔؟" تیمور نے ناسمجھی سے دیکھا۔
"یار تجھے کیا کیا سمجھاؤں۔؟ کیا دو دن بعد بھی میں ہی سمجھاؤں گا۔؟ کیا تمہارے ساتھ بیڈروم تک مجھے جانا پڑے گا۔؟" ولید تو جیسے جھنجلا ہی گیا تھا اور تیمور نے میز پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر اسے دے مارا تھا جسے ولید نے بڑی

مہارت سے کیچ کر لیا تھا۔
"کمینگی کی حد تم پر آکر ختم ہو جاتی ہے۔" وہ چبا کر بولا تھا۔
"پتا ہے مجھے۔ کیونکہ شروع تم سے ہوتی ہے۔" ولید بھی بڑے سکون سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا تھا۔
"اف مجھ سے تو قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا۔" ولید نے پھر آہ بھری۔
"اف۔ سب دبی جا رہے ہیں۔ ہائے میری ٹانگیں۔ اف میری ہمت۔"
ولید جان بوجھ کر ہائے وائے کرتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔
اور تیمور اس کی تکلیف کا مفہوم سمجھ کر مسکرا دیا تھا۔



"ہیلو! اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔ چپ اور اداس۔؟" فارہ بیڈ پر ٹیک لگائے بیٹھی خالی خالی نظروں سے سامنے دیوار کو دیکھے جا رہی تھی، جب آفاق بھی بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر چلا آیا تھا۔
"فارہ! میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔؟" اس کو خاموش پاکر آفاق نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا تھا۔
"اور کیا کروں۔؟ زندگی میں چپ اور اداسی کے سوا اور ہے ہی کیا؟" فارہ کا لہجہ مایوسی لیے ہوئے تھا۔ آفاق کے دل پہ اثر ہوا تھا۔ اس کا دل ایک دم سے سمٹا تھا۔
"زندگی میں میں نہیں ہوں کیا۔؟" آفاق نے اس کی خالی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی تھی۔
"آپ۔؟" فارہ نے عجیب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔
"ہاں۔ میں۔" آفاق نے زور دے کر کہا۔
"کہاں ہیں آپ۔؟" فارہ کا اگلا سوال مزید تکلیف دہ تھا۔
آفاق کا دل اس چوٹ پہ زیادہ تڑپا۔ وہ جو اس سے دیوانہ وار محبت کرتی تھی۔ وہ ہی آج اس سے پوچھ رہی تھی کہ وہ اس کی زندگی میں کہاں ہے۔؟ یعنی وہ اسے کہیں بھی نظر نہیں آتا تھا۔؟ کہیں بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔؟ اور۔ اور اس میں قصور کس کا تھا۔؟ آفاق کا یا فارہ کا۔؟ یا شاید دونوں کا ہی نہیں؟
"آفاق! آپ چپ کیوں ہو گئے۔ بتائیں ناں۔ کہاں ہیں آپ۔؟" فارہ نے اب اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کے پوچھا تھا۔
"تمہارے بہت قریب ہوں میں۔ تمہارے سینے میں۔ تمہارے دل میں۔ تمہاری ہر سانس میں ہوں۔ اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ کہاں ہوں میں۔ بتاؤ مجھے۔؟ کیا نہیں ہوں میں؟"
آفاق نے اس لمحے خود کو کمزور نہیں ہونے دیا تھا اور فارہ کی خاطر فارہ کے سامنے ہی ڈٹ گیا تھا۔
"ہاں۔ نہیں ہیں آپ۔ کہیں بھی نہیں ہیں۔ میں آپ کو اپنے قریب۔ اپنے سینے میں۔ اپنے دل میں۔ اپنی ہر سانس میں ڈھونڈتی ہوں۔ آپ کہیں بھی نہیں ملتے۔ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاتی ہوں آفاق۔ مگر آپ نہیں بھی نہیں ملتے۔ اور۔ اور آپ کہتے ہیں کہ میں اس طرح چپ اور اداس کیوں بیٹھتی ہوں۔؟ تو پھر مجھے بتائیں اور کیا کروں۔؟ جب آپ نہیں ملتے تو اور کیا کروں گی میں۔؟"
فارہ نے اس کے دونوں ہاتھ چھوڑ کر اس کی شرٹ کو دبوچ لیا تھا اور آفاق اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے کچھ کہہ ہی نہ سکا۔ بس اس کے گرد بازو لپیٹ کر اسے اپنے سینے میں بھینچ لیا تھا۔
"آئی لو یو فارہ۔ آئی لو یو سو مچ۔ میں اور کہیں بھی نہیں ہوں۔ تمہارے پاس ہی ہوں تمہارا ہی ہوں۔" کہتے ہوئے آفاق کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں مگر اس نے فارہ کو محسوس بھی نہیں ہونے دیا تھا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی

ٹینشن میں تھی اور رو رہی تھی۔
"دیکھو۔ میں آج تمہارے لیے اور اپنے بچے کے لیے گھر آیا ہوں۔ آج شاپنگ پہ چلتے ہیں۔ آج تم دونوں کے لیے شاپنگ ہوگی۔ صرف تم دونوں کے لیے۔"
آفاق نے اسے اپنی مضبوط بانہوں کا حصار بخشنے کے ساتھ ساتھ اپنی بات کا یقین دلانے کی بھی کوشش کی تھی۔ کیونکہ فارہ کی نظر میں وہ پہلے ہی حد درجہ بے اعتباری کے مقام پر پہنچ چکا تھا۔
"نہیں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ بھی نہیں۔ مجھے صرف آپ کے پیار اور آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ آفاق، آپ نہیں جانتے مگر میں دن بہ دن اندر سے مرتی جا رہی ہوں۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ مجھے آپ کی ضرورت ہے۔" فارہ کے اندر کے غبار کو راستہ مل گیا تھا اور آفاق غلطی پر نہ ہوتے ہوئے بھی شرمندہ ہو گیا تھا۔
"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے پاس ہوں میری جان! ایسی باتیں مت سوچا کرو۔ ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس دعا کرو۔ میں جس پرابلم میں ہوں وہ حل ہو جائے۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔
"کب حل ہوگی آپ کی پرابلم۔؟" وہ جھنجلا اٹھی تھی۔
"جب تم دل سے دعا کرو گی۔" آفاق اس کی معصومیت اور لاعلمی پہ مسکرایا تھا۔
"میں تو دعا کرتی ہوں کہ آج ہی ہو جائے۔" اس نے بڑی عجلت اور بے زاری سے کہا تھا جس پہ آفاق قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
"چلو۔ تم نے کہہ دیا تو سمجھ لو کہ آج ہی حل ہو گئی ہے۔" آفاق کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا اور راستے میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔
"ارے اس وقت کون بیچ میں آ گیا؟" آفاق نے ذرا سا پیچھے ہٹتے ہوئے جیب سے موبائل نکال کر چیک کیا۔ نمبر تیمور حیدر کا تھا۔
"کون ہے؟" فارہ نے تیزی سے پوچھا۔
"تیمور ہے۔" آفاق ذرا سا پیچھے ہٹتے ہوئے بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔
"تم تیار ہو جاؤ۔" آفاق نے ہیلو کہنے سے پہلے فارہ کو ہدایت دی۔
وہ سر ہلا کر بیڈ سے اٹھ گئی تھی۔
"ہیلو۔" آفاق کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔
"ہیلو کیسے ہو؟" تیمور نے بڑے نارمل طریقے سے بات کی تھی۔
"جیسا ہمیشہ ہوتا ہوں۔" آفاق ہنسا تھا۔
"مجھ سے مل سکتے ہو۔؟" تیمور اس سے پوچھ رہا تھا۔
"کب۔؟" آفاق ٹھٹکا کہ تیمور کو ایسا کون سا کام آن پڑا ہے۔
"ابھی۔" وہ جلد از جلد اس سے اس موضوع پہ بات کرنا چاہتا تھا۔
"ابھی۔؟" آفاق کو فارہ کا خیال آیا تھا جس کو اس نے ابھی ابھی شاپنگ کے لیے تیار کیا تھا۔
"ہاں۔" تیمور نے اثبات میں کہا۔
"سوری یار ابھی تو ممکن نہیں۔ میں فارہ کے ساتھ شاپنگ پہ جا رہا ہوں۔ کوئی خاص بات ہے تو واپسی پہ تمہاری طرف آ جاتا ہوں۔" آفاق فارہ کو انکار کرنے پر تیار نہیں تھا۔
"ارے۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ جاؤ۔ انجوائے کرو۔ ان شاء اللہ کل ملاقات ہوگی میں تمہارے آفس۔" تیمور نے فون بند کرنا چاہا تھا۔

"ارے واہ۔! اتنا اعزاز بخش رہے ہو۔ اس کا مطلب کہ بات واقعی کچھ خاص ہے۔؟"
"ہاں۔ بہت خاص ہے۔ مگر ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاؤ۔ انجوائے کرو۔ اللہ حافظ۔"
تیمور نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور آفاق سر جھٹک کر خوش گوار موڈ کے ساتھ فارہ کے پاس آگیا وہ بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔



عزت بار بار ولید کے نمبر پر کال کر رہی تھی مگر وہ تھا کہ ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔
"ولید۔ آر یو او کے۔؟" اس نے تنگ آکر میسج کیا تھا۔ مگر جواب نہ آیا۔
"ولید۔ میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔؟ اور کہاں ہیں۔؟ نہ کال اٹینڈ کر رہے ہیں نہ میسج کا جواب دے رہے ہیں۔ میں پریشان ہوں بہت۔" عزت نے ایک اور میسج ٹائپ کیا اور بھیج دیا تھا۔
"تمہیں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جہاں جا رہی ہو وہاں جانے کی تیاری کرو۔"
چند سیکنڈز میں ہی اس کا لٹھ مار قسم کا جواب موصول ہوا تھا۔ اور عزت حیرت زدہ سی میسج دیکھتی رہ گئی کہ ولید کو کیا ہوا ہے۔
"کیوں؟ خیریت کیا ہوا ہے؟ آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں۔؟" اس نے پھر میسج لکھا۔
"تمہیں کیا۔ خیریت ہو یا نہ ہو۔ تم جاؤ۔ بس باپ اور بھائی نے کہہ دیا اور تم چل دیں۔ تمہاری زندگی میں کوئی اور بھی ہے۔ تمہیں بھلا کیا پرواہ؟"
ولید تو جیسے بھرا بیٹھا تھا ایک دم پھٹ ہی پڑا تھا اور عزت اس کی بات سے سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔
"اوہ۔ تو اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں نے بتایا نہیں۔؟" عزت نے اک پرسوچ سا آئی کون سینڈ کیا تھا۔
"کوئی اصل مسئلہ نہیں ہے۔ تم بس ٹینشن فری ہو کر جاؤ" ولید کی ناراضگی اس کے میسج سے ہی ظاہر ہو رہی تھی عزت کے ہونٹوں پہ بے اختیار مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔
اور اس نے اگلے ہی پل اس کا نمبر دوبارہ ڈائل کر لیا تھا۔ مجبوراً" ولید کو کال ریسیو کرنا پڑی تھی۔
"السلام علیکم۔!" عزت نے بڑے ادب اور بڑے احترام سے کال کا آغاز کیا تھا۔
"کال کیوں کی؟" وہ ابھی بھی ناراضی سے پوچھ رہا تھا۔
"یہ بتانے کے لیے میں کل دبئی جا رہی ہوں۔" وہ بڑے مزے سے بولی تھی۔
"اوہ اچھا۔ یہ بتانے کے لیے۔؟ لیکن مجھے کیوں بتا رہی ہیں آپ۔؟ میں آپ کا کون ہوں بھلا۔؟" وہ لاتعلقی سے بات کر رہا تھا۔
"آپ۔ ارے آپ کو نہیں پتا آپ میرے کون ہیں۔؟" عزت اس کی خفگی اور ناراضی سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔
"نہیں۔ مجھے تو نہیں پتا۔ کہ میں کون ہوں؟" اس نے مکمل لاتعلقی کا اظہار کر ڈالا تھا۔
"ارے جناب۔! آپ ہمارے شوہر نامدار ہوتے ہیں۔ ہمارے سرتاج۔ مجازی خدا۔ آپ کا وہ مقام ہے جو کسی اور کا نہیں ہے۔" عزت بھی موڈ میں تھی۔
"اچھا۔ اس لیے آج یہ اعزاز بخشا جا رہا ہے کہ شوہر نامدار کو جانے کی اطلاع دے دی جائے۔؟" اس نے غصے سے طنز کیا تھا۔
"شوہر نامدار کو پہلے اس لیے نہیں بتایا تھا کہ اس کے دل پہ برا اثر پڑے گا طبیعت اداس ہو جائے گی۔ سوچا کہ

ایک دن پہلے بتاؤں گی۔" اس نے جواز پیش کیا۔
"واہ۔ کیا کہنے ہیں جناب کے۔" ولید تو جیسے تڑپ کر بولا تھا اور عزت یک دم کھلکھلا اٹھی تھی۔
"اچھا، موڈ ٹھیک کرنے کے لیے ایک ملاقات ضروری ہے۔" ولید نے بے ساختہ ایک شرط بیچ میں رکھ دی تھی۔
"ملاقات؟ اس وقت؟" عزت نے یک دم گھڑی کی سمت دیکھا تھا جہاں پونے بارہ بجے کا ٹائم ہو رہا تھا۔
"ہاں... اس وقت..." ولید نے انتہائی سکون کا مظاہرہ کیا تھا جیسے یہ بہت ہی آسان کام تھا۔
"مگر ولید... آپ... آپ جانتے ہیں کہ بابا جان کی موجودگی میں ایسا ممکن نہیں ہے۔ وہ آج کل اتنی سختی سے پیش آ رہے ہیں... اور اس وقت تو ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا۔" عزت نے اسے سمجھانا چاہا۔
"او کے... میں فون بند کرتا ہوں... پھر بات ہوگی... اللہ حافظ..." ولید نے ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بغیر فون بند کر دیا تھا۔
"ولید..." عزت بے بسی سے پکار کے رہ گئی تھی۔
"اف... اب کیا کروں؟... کیسی الٹی سیدھی سی فرمائش ہے... وہ جانتا بھی ہے پھر بھی..." عزت دل ہی دل میں سوچتی ہوئی جھنجلا رہی تھی۔
"یہ فرمائش نہیں ہے... یہ تو ضد ہے محترمہ..." دماغ نے الٹی دلیل دی۔
"ضد بھی تو اسی سے کی جاتی ہے نا جس کے ساتھ دل کا کوئی سلسلہ چل رہا ہو۔" دل نے بھی اپنی دلیل پیش کی تھی۔
"اچھا تو اس کی یہ ضد پوری کر دینی چاہیے؟" دماغ نے ذرا اکڑ کر سوال داغا۔
"اس میں کچھ مضائقہ بھی تو نہیں ہے... شوہر ہے آخر... اتنی سوچ بچار کیوں... کون سا کسی غلط نیت سے بلا رہا ہے۔" دل کی اپنی ہی سوچ اور اپنا ہی الگ طریقہ تھا۔
"تو پھر کرو فون..." دماغ نے طنز کیا۔
"لو ابھی کیا..." دل چہکا اور عزت نے بے اختیار موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ڈائل کر لیا تھا۔
"ہیلو..." دوسری طرف آواز اجنبیت لیے ہوئے تھی۔
"مجھے آ کر لے جاؤ۔" عزت نے بے حد آہستگی سے کہا تھا مگر دوسری طرف ایک نعرہ بلند ہوا تھا۔
"یاہو..." اور نعرے کے ساتھ ہی کال ڈس کنیکٹ ہو گئی تھی۔
عزت... مسکرا کے رہ گئی... مگر اگلے چند سیکنڈز بعد اسے خیال آیا کہ وہ جائے گی کیسے..."
اور اگر کسی کو پتا چل گیا تو...



ولید بائیک لے کر اس کے گھر سے ذرا فاصلے پہ پہنچا اور پھر موبائل نکال کر اس کے نمبر پہ رنگ کی تھی۔ عزت نے پہلی گھنٹی پہ ہی کال اٹینڈ کر لی تھی۔
"ہاں سن رہی ہوں..." وہ اپنے بیڈ روم میں بھی بہت آہستہ آواز سے بولی تھی۔
"میں باہر کھڑا ہوں۔" ولید نے اطلاع دی۔
"ٹھیک ہے... میں آتی ہوں۔" عزت نے آہستگی سے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔ اور پھر دھڑکتے دل کو بمشکل سنبھال کر اپنا سیل فون سائلنٹ پہ لگا کر بیگ میں رکھتی دبے قدموں بیڈ روم سے نکل آئی تھی۔ سیڑھیاں

اترتے ہوئے اس کا دل چاہا کہ تیمور کو بتادے کہ وہ ولید کے ساتھ جارہی ہے' لیکن رات کے ساڑھے بارہ بجے اسے جاکر ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں لگا تھا۔ اسی لیے اکیلی ہی یہ رسک لے کر نیچے آگئی تھی۔

"بی بی جی..." وہ کوریڈور کی سمت بڑھ رہی تھی جب اس کے قدم ملازمہ کی آواز پہ یک دم ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"ہاں... بولو..." عزت کا دل مزید دھڑکا۔

"خیریت... کہاں جارہی ہیں آپ...؟" ملازمہ کو بے وجہ ہی پریشانی سوجھی تھی۔

"میں ساشا کی طرف جارہی ہوں... ایک فرینڈ کا برتھ ڈے ہے... لیٹ ہوگئی ہوں... تم جاؤ اپنے کوارٹر میں... کوئی پوچھے تو مت بتانا... بابا غصہ کرتے ہیں۔" اس نے کچھ رعب سے دباؤ ڈال کے کہا تھا اور ملازمہ سر ہلا کر رہ گئی تھی۔

"جی ٹھیک ہے..." ملازمہ وہاں سے گئی تو تب جاکے عزت باہر جانے کے لیے نکلی تھی۔

دبے قدموں سے ہی گیٹ کے پاس پہنچی تھی' چوکیدار ایک دم الرٹ ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے بی بی جی..." اس نے مئودب کھڑے ہوتے ہوئے سوال کیا۔

"گیٹ کھولو..." عزت نے اس کا سوال ان سنا کردیا تھا۔

"جی... مگر آپ کی گاڑی..." وہ کچھ ڈرتے ڈرتے بولا۔

"میں نے کہا گیٹ کھولو..." عزت نے سختی سے چبا کر کہا تھا اور چوکیدار نے اپنے دائرے میں رہتے ہوئے چپ چاپ گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ بہت محتاط انداز سے چلتی باہر آگئی۔

"سنو... واپسی پہ گیٹ ناک کروں تو گیٹ کھول دینا۔" اس نے جاتے جاتے ہدایت کی۔

"جی ٹھیک ہے بی بی جی..." چوکیدار نے سر ہلا کر گیٹ بند کرلیا تھا۔

اور وہ سڑک پہ ادھر ادھر دیکھ کر چلتی ہوئی ولید کو کھوجنے لگی۔ ولید نے اسے دیکھ کر بائیک کی لائٹس جلا کر اسے اپنی موجودگی کا سگنل دیا تھا۔

وہ بائیک کی لائٹس دیکھ کر اسی سمت چل پڑی تھی۔

"ہائے... کیسی ہو؟" ولید اسے بائیک کے قریب آتے دیکھ کر شرارت سے چہکا۔

"پلیز...!" عزت اس کی ضد اور شرارت پہ قدرے جھنجلا بھی گئی تھی۔

"کیوں... میں نے کیا کیا ہے؟" ولید کے انداز میں لاپروائی رچی ہوئی تھی۔

"میرا دل بری طرح دھڑک رہا ہے۔ آپ میری ٹینشن نہیں سمجھ سکتے۔" عزت اس کی لاپروائی پہ مزید سلگی تھی۔

"اوکے... میں واپس چلا جاتا ہوں۔" وہ ایک دم سنجیدگی پہ اتر آیا تھا۔

"ولید... کیوں ایسا کررہے ہیں؟ کب سے ستا رہے ہیں مجھے؟ کیا اس طرح بھیجنا ہے مجھے۔"

"تو پھر تم اتنی ڈر کیوں رہی ہو؟ کیا کسی غیر... کسی اجنبی... یا کسی نامحرم کے ساتھ جارہی ہو؟ یا تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے؟ میں تمہیں کسی غلط کام کے لیے نہیں لے کر جارہا... کیونکہ اس وقت تم اپنے بابا اور بھائی سے بھی زیادہ میری عزت ہو... اعتبار ہے تو بائیک پہ بیٹھ جاؤ... نہیں تو میں تمہیں روکوں گا نہیں... تم بخوشی واپس جاسکتی ہو۔"

ولید نے کھڑے کھڑے دوٹوک فیصلہ کرنے کا سوچا تھا۔ عزت یک دم چپ ہوگئی اور ایک سیکنڈ کی بھی تاخیر کیے بنا اس کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ کیونکہ اسے اس پہ اعتبار تھا... وہ تو بس بابا کی وجہ سے ڈر رہی تھی کہ انہیں پتا چلا تو

یوں ہی بے وقت فساد ہو جائے گا۔
اس کے بیٹھتے ہی ولید نے بائیک اسٹارٹ کی اور فل اسپیڈ پہ چھوڑ دی تھی لیکن پھر کافی دور آ کر اس نے اسپیڈ کم کرلی تھی۔
"تھینک یو۔۔۔" اس نے بڑے ہی سرشار لہجے میں تھینکس بولا تھا۔
"کس لیے۔۔۔" عزت پھر بھی خفگی سے ہی بولی تھی۔
"مجھ پہ اعتبار کرنے کے لیے۔۔۔" ولید کے لہجے کی شرارت دوبارہ سے واپس آچکی تھی۔
"ولید۔۔۔" اس نے بمشکل ضبط کیا۔
"جی۔۔۔ بسم اللہ۔۔۔" وہ جی جان سے چہک کر بولا۔
"میرا دل چاہ رہا ہے۔۔۔ آپ کے بال نوچ لوں۔" عزت نے دانت کچکچائے تھے۔
"تو دیر کس بات کی ہے؟ سر حاضر ہے۔۔۔ تم اپنے خوب صورت ہاتھ حرکت میں لاؤ۔"
اس نے ایک دم بائیک کو بریک لگاتے ہوئے کہا تھا اور پیچھے کی سمت پلٹتے ہوئے اپنا سر عزت کے سامنے جھکا دیا تھا۔
عزت اسے اپنے سامنے سر جھکائے دیکھ کر ایک دم جھجک سی گئی تھی۔
"میں نے تو بس یہ کہا کہ میرا دل چاہ رہا ہے۔۔۔ میں سچ مچ نوچ لوں گی' یہ تو نہیں کہا؟" وہ ناراضی سے منہ بنا کر بولی۔
"ہاہاہا۔۔۔" ولید ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "اگر دل چاہا ہے تو اب دل کی چاہت پوری کرو۔۔۔ غلام حاضر ہے۔"
ولید ابھی بھی بضد تھا کہ وہ اس کے بال نوچ لے۔۔۔ عزت نے اس کے بال تو نہیں نوچے' البتہ اس کے کندھے پہ ایک مکا دے مارا تھا۔
اور اسی لمحے ان کے قریب سے ایک گاڑی گزری تھی۔



"گاڑی روک۔۔۔" مونس مرزا نے اپنے دوست کو گاڑی روکنے کا کہا۔
"اب کیا ہے یار۔۔۔ جانے دے۔۔۔ نیند آرہی ہے۔" اس کے دوست نے کافی بے زاری سے کہا تھا۔
"میں نے کہا گاڑی روک۔۔۔" مونس اب کی بار غصے سے بولا تھا اور اس نے ایک دم گاڑی روک دی تھی۔
"واپس لے۔۔۔" اس نے گاڑی پیچھے لے جانے کا کہا۔۔۔ وہ گاڑی پیچھے کرنے لگا۔
"رک۔۔۔" عزت اور ولید سے ذرا فاصلے پہ اس نے گاڑی رکوائی تھی۔
"اوہ۔۔۔ تو رات کے اس پہر رضا حیدر کی بیٹی سڑکوں پہ یہ گل کھلاتی پھر رہی ہے؟"
ولید نے پیچھے پلٹ کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور پھر سرگوشی میں کچھ کہا تھا جس کے نتیجے میں عزت بے ساختہ سر جھکا کر مسکرائی تھی اور مونس مرزا اندر ہی اندر کھول اٹھا تھا۔
اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالتے ہوئے رضا حیدر کو ایک گالی بھی دی تھی۔
دوسری طرف رنگ جا رہی تھی' چند لمحے بعد رضا حیدر کی جاگی سوئی سی آواز موبائل کے ایئرپیس سے سنائی دی تھی۔
"ہیلو۔۔۔"
"رضا حیدر! میں مونس مرزا بات کر رہا ہوں۔" مونس غصے کی حالت میں تمیز بھی بھول گیا تھا۔ انہیں انکل کہنے

کے بجائے رضا حیدر کہہ کر مخاطب کر رہا تھا جس پہ رضا حیدر کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔
"اس وقت... خیریت..."
"تم یہ بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟" مونس مرزا نے انتہائی اکھڑے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
"میں اپنے گھر میں ہوں اور تم یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟ ہوش میں تو ہو؟" رضا حیدر کو اس کا لب ولہجہ انتہائی ناگوار گزرا تھا۔
"میں ہوش میں ہوں رضا حیدر... مگر تم ہوش میں نہیں ہو۔ اپنی آنکھیں کھولو... اور خبر لو کہ تمہاری بیٹی کہاں ہے اس وقت؟ ہوں... ہوش میں تو ہوں۔"
اس نے کہہ کر بڑبڑاتے ہوئے فون بند کر دیا تھا اور رضا حیدر اس کی اس طنزیہ بات کا مطلب سمجھتے رہ گئے تھے۔ پھر ایک دم کچھ خیال آتے ہی دماغ گھوم گیا تھا۔ مونس مرزا کی بات ذرا دیر بعد عقل میں آئی تھی۔



تیمور کسی کام سے باہر نکلا تھا اور عزت کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کے قدم بے اختیار رکے تھے۔ کیوں کہ کمرے کا دروازہ ادھ کھلا سا نظر آ رہا تھا۔
عزت ابھی تک جاگ رہی ہے؟ وہ دل ہی دل میں سوچتا ہوا دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا تھا۔
"عزت..." اس نے آواز دی مگر عزت کمرے میں کہیں بھی نظر نہیں آئی تھی۔
"عزت..." تیمور کو اچھی خاصی تشویش ہوئی تھی۔
اس نے ڈریسنگ روم اور باتھ روم بھی چیک کر لیے مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اسی پریشانی میں اس نے پورا گھر چھان مارا تھا۔
"صاحب جی... بی بی جی تو باہر گئی ہیں۔" چوکیدار نے اسے گاڑی کے قریب آتے دیکھ کر اطلاع دی۔
"کب..." تیمور کو ایک دم جھٹکا لگا تھا۔ اس ٹائم باہر جانے کی کیا تک تھی بھلا؟
"ابھی کچھ دیر پہلے..." چوکیدار کو بھلا کیا پتا تھا کہ بتانا ہے یا نہیں۔
"لیکن اس کی گاڑی تو یہیں ہے؟" تیمور کو حیرت در حیرت کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔
"وہ کسی کے ساتھ بائیک پہ گئی ہیں... میں نے بائیک کی آواز سنی ہے... گھر سے ذرا دور بائیک کھڑی تھی۔" چوکیدار کا اندازہ بالکل درست تھا۔
"بائیک پہ..." تیمور نے زیر لب دہرایا تھا اور بائیک کا سن کر پہلا خیال ولید کی طرف ہی گیا تھا اور پھر تیمور کے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تھے۔
"بے وقوف کہیں کے۔" تیمور کو دونوں کی بے وقوفی پہ غصہ آیا تھا مگر وہ کیا کر سکتا تھا بھلا؟ غصہ ضبط کرتے ہوئے اندر آ گیا۔
"اگر گھر میں کسی کو پتا چل گیا تو اچھا نہیں ہو گا۔" تیمور کو پہلا خیال یہی آیا تھا۔
"اب کیا ہو گا؟" تیمور سوچتے ہوئے عزت کے بیڈ روم کی طرف آ گیا تھا اور بہن کی غلطی پر پردہ ڈالنے کے لیے اس کے بیڈ پر کمبل اور تکیہ رکھ کے احتیاط سے باہر نکل آیا تھا اور ابھی دروازے کے ہینڈل سے ہاتھ ہٹا ہی رہا تھا کہ ایک دم رضا حیدر کی کرخت سی آواز اس کے عقب سے ابھری تھی۔
"عزت کہاں ہے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی استفسار کیا تھا اور ان کے اس اچانک حملے پہ تیمور گڑبڑا کے رہ گیا۔
"عزت... وہ اندر سو رہی ہے۔ میں اسی کی طرف آیا تھا۔" تیمور نے دیکھتے ہی دیکھتے بڑے اعتماد سے جھوٹ بولا

تھا۔ "اندر..." رضا حیدر کو شاک سالگ گیا تھا۔
"کیوں خیریت... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" تیمور دروازے کے سامنے دیوار بن کے کھڑا ہو چکا تھا۔
"نہیں... کچھ نہیں۔" رضا حیدر نے نفی میں جواب دیا تھا۔
"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں؟ صبح آپ کی فلائٹ بھی ہے۔ فی الحال سو جائیں۔ میں نے عزت کو بھی کہا ہے کہ وہ ریسٹ کرے۔ جلدی نکلنا ہے آپ لوگوں نے..."
تیمور بہت ہی نارمل طریقے سے بات کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور ساتھ ساتھ دل میں یہ دعا بھی کر رہا تھا کہ بابا جب تک جاگ رہے ہیں۔ عزت واپس نہ آئے۔ ورنہ رات کے ڈھائی بجے گھر میں ایک قیامت خیز ہنگامہ کھڑا ہو سکتا تھا۔
"اس نے پیکنگ کر لی؟" رضا حیدر نے ایک اور سوال اٹھایا۔
"جی... میری موجودگی میں ہی کی ہے اس نے... آپ پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ وہ اب بچی نہیں ہے۔ سمجھ دار ہو چکی ہے۔" تیمور بڑے طریقے اور سلیقے سے ان کو ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ موت کے فرشتے کی طرح عزت کے بیڈ روم کے دروازے پہ مجسم کھڑے تھے۔
"دروازہ کھولو..." رضا حیدر نے تیمور کو ایک دم سٹپٹا کر رکھ دیا تھا۔
"لیجئے... کھول دیا۔" مگر وہ ان سے بھی زیادہ ہوشیار نکلا... اس نے پلٹ کر بڑی سہولت سے دروازہ کھول دیا تھا۔ رضا حیدر بیڈ پہ نظر پڑتے ہی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔
"اچھا... رہنے دو... صبح بات ہو گی۔" وہ اندر جانے کے بجائے واپسی کے لیے مڑ گئے تھے اور تیمور نے بے ساختہ اک سکون کی سانس خارج کی تھی۔
اور وہیں پہ ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے عزت کا انتظار کرنے لگا تھا۔



"صاحب جی... صرف ایک کپ چائے؟" ڈھابے کے ملازم نے دہرا کے پوچھا۔
"ہاں میری جان... صرف ایک کپ چائے..." ولید نے بہت مزے سے جواب دیا تھا۔ عزت اس کے سامنے والی کرسی پہ بیٹھی تھی اور ولید وقتاً "فوقتاً" اسے چھیڑتی ہوئی شرارتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
"اور بھابھی..." ملازم کو بھابھی جی کا غم ستانے لگا۔
"ادھر آ..." ولید نے اسے اشارے سے پاس بلایا۔
"جی..." وہ پاس آ گیا' بڑے شوق اور بڑے اشتیاق کے ساتھ...
"بیٹھ ادھر..." ولید نے ساتھ والی کرسی پہ اشارہ کیا۔
"جی..." اب کی بار وہ جھجکا۔
"بیٹھ نا یار..." ولید نے ضد کی... اور مجبوراً "وہ بیٹھ گیا... عزت اب ان دونوں کو بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔
"دیکھ... یہ چائے منگوائی ہے تیری بھابھی کے لیے... اس سرد موسم میں تیری بھابھی میرے ساتھ بائیک پہ آئی ہے۔ اسے ٹھنڈ لگ رہی ہے۔ اب وہ پیے گی گرم گرم چائے... اور میں... تیرا بھائی... مجھے گرمی لگ رہی ہے۔"
ولید نے اسے بتاتے ہوئے عزت کو بھی شرارت اور ذو معنی نظروں سے دیکھا تھا وہ لاپروائی سے یوں ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ یعنی ایک کپ ہی بہت ہے۔" اس ملازم نے بڑے سمجھ دارانہ انداز میں سرہلایا تھا۔
"پاگل دا بچہ۔۔۔ اب بھی کچھ نہیں سمجھا۔۔۔ جا۔۔۔ چائے لے کر آ۔۔۔" ولید نے اس کی گدی پہ ایک دھپ رسید کی تھی اور وہ اٹھ کر بھاگ گیا تھا جس پہ عزت ایک دم ہنس پڑی تھی۔
"چلو۔۔۔ جس نے سمجھنا تھا۔۔۔ اس نے سمجھ لیا ہے نا۔" وہ معنی خیزی سے بولا اور وہ جھینپ گئی تھی۔
"پلیز ولید! اتنا ٹائم ہو رہا ہے' جلدی گھر چلو۔۔۔" عزت نے ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب صبح ہی چلی جانا۔۔۔ ایئر پورٹ ڈراپ کر آؤں گا۔" اس کے لہجے میں ہنوز شرارت تھی۔
"واٹ۔۔۔؟ لگتا ہے آپ آج ہوش میں نہیں ہیں۔" وہ بدک گئی تھی۔
"یار۔۔۔ کیوں پریشان ہو رہی ہو۔۔۔ میں ہوش میں ہوں یا نہیں۔۔۔ مگر تمہیں گھر ضرور چھوڑ کر آؤں گا' پوری احتیاط کے ساتھ۔۔۔"
ولید نے اسے پورے اعتماد سے یقین دلایا تھا اور عزت پرسکون ہو گئی تھی۔
اتنے میں ڈھابے کا چلبلا سا ملازم چائے کا کپ لے آیا تھا۔
"صاحب۔۔۔ ایک کپ دو پرچ ٹھیک ہیں؟" اس نے ٹرے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا اور ولید نے دانت کچکچائے تھے۔
"اوئے تیری تو۔۔۔ ایک کپ اور ایک پرچ کا جوڑ ہوتا ہے۔۔۔ دوسری تم اپنے گھر لے جاؤ۔۔۔ تمہارے ابا جی کے کام آئے گی۔۔۔ لا۔۔۔ ادھر رکھ۔۔۔" ولید کے جھنجلانے پہ عزت بہت محظوظ ہو رہی تھی۔
اس کے جانے کے بعد ولید دوبارہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔
"پہلے میرا پروگرام ہوتا تھا ایک صبح' ایک شام۔۔۔ اب ہو گا ایک کپ ایک پرچ۔" ولید کی بات پہ عزت کے منہ سے ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا اور ولید اس ہنسی میں دل و جان سے بھیگ بھیگ گیا تھا۔
آج کی رات ان کے لیے ایک یادگار رات تھی جو انہوں نے سڑکوں پہ آوارہ گردی کرتے ہوئے گزاری تھی اور عزت نے غصے کے باوجود نہ چاہتے ہوئے بھی بہت انجوائے کیا تھا۔



فجر سے ذرا پہلے کا وقت تھا جب ولید نے اسے گھر کے قریب ڈراپ کیا تھا۔
اس کے ذرا سے ناک کرنے پہ چوکیدار نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا تھا' وہ اندر آگئی تھی۔ وہ دبے قدموں سیڑھیاں طے کرتی ہوئی اوپر آئی ہی تھی کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔
کیوں کہ سامنے ہی تیمور سر جھکائے پشت پہ ہاتھ باندھے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔
اور عزت کے قدموں کی آواز سن کر اس کے قدموں کی چاپ بھی رک گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر عزت کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔ عزت نے چہرہ جھکا لیا تھا اور نظریں بھی جھک گئی تھیں۔۔۔ کیوں کہ وہ کھڑے کھڑے دھواں دھواں ہو گئی تھی۔
اسے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی اور دل کنپٹیوں میں دھڑکا تھا۔
صورت حال ایسی تھی کہ مر جانے کو دل چاہا تھا۔

(باقی آئندہ)